(بقیہ اشارات) ہوتا ہے۔ فرماں روا سیاسی جماعت کے لیڈر اور کارکن پہلے سے اس کے لیے فضا بنانے لگتے ہیں۔ اور اعتراضات کو صاف کر دیتے ہیں۔

۸ ـــ سیاسی جماعتیں اپنے ہزارہا کارکنوں کی ٹیموں کے ذریعے ملک بھر کے تمام علاقوں اور بستیوں کے حالات کی رپورٹیں آسانی سے جمع کر لیتی ہیں۔ پھر ان معلومات کی بنیاد پر معاملات کو صحیح طور پر سمجھنا اور فیصلے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

۹ ـــ سیاسی جماعتوں سے کارکنوں کی وابستگی ہی اُن کو مختلف اُمیدواروں کی رشوتیں قبول کرنے سے روکتی ہے۔ اور وہ اپنی پارٹی کا جھنڈا بلند رکھنے کے لیے پاس سے خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یقیناً اس تعریف سے مستثنیٰ تعداد بھی موجود رہتی ہے۔ مگر وہ اس وجہ سے ہے کہ نہ تو انتخابی تربیت پوری طرح ملی ہے اور نہ بدعنوانیوں کے خاتمے کے لیے بھرپور قانونی کارروائیاں ہوتی رہی ہیں۔

اِن حقائق کو سامنے رکھیں تو غیر جماعتی انتخابات کا تصور بھی نہ لائیں۔ غیر جماعتی انتخابات جن میں فرد فرد الگ الگ ہوگا، ایک تو چھوٹے چھوٹے دائروں کی عصبیتیں زیادہ کام کریں گی، نظریۂ پاکستان اور اسلامی خدمات درمیان میں سے غائب ہو جائیں گے، ووٹروں کے ضمیر رشوت کے زہر سے مُردہ ہو جائیں گے۔ کسی اُمیدوار اور ووٹر کے سامنے کوئی ملک گیر مقصد نہ ہوگا کوئی اسلامی نصب العین نہ ہوگا، ہماری وحدت کے تمام قیمتی بندھن ٹوٹ جائیں گے۔

پس فیصلہ یہ ہونا چاہیے کہ انتخابات ہوں گے، جلد ہوں گے، جداگانہ ہوں گے اور جماعتوں کے ذریعے ہوں گے۔

"سیاسی جماعتوں" کے بارے میں ہمارے بزرگ و دانشور خادم ملت مولانا ظفر احمد انصاری کا جیئر مینی میں کام کرنے والے انصاری کمیشن میں جو منفی رپورٹ شریعت کے نام سے دی ہے اُسے اگر اجتہاد بھی کہا جائے تو بڑا نباہ کُن اجتہاد ہے۔ اس مبحث پر دو بہت اچھے مقالات روزنامہ جسارت میں آچکے ہیں، ایک مولانا محمد ناظم ندوی کا، دوسرا جناب صلاح الدین صاحب کا۔

تمام ضروری باتیں مدلّل طور پر ان میں بیان ہوگئی ہیں۔ ان کے ملخص کے طور پر ہی میں یہاں چند اجمالی نکات عرض کر رہا ہوں۔

۱- اوّلین امر جو نگاہوں سے مکمل طور پر اوجھل رہا ہے وہ یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کی مسلم سوسائٹی (خصوصاً عہد سعادت) آج اس شکل میں موجود نہیں، بلکہ ایک زوال زدہ معاشرہ ہمارے سامنے ہے۔ وہاں فرد فرد کو پہلے دن سے حقیقت دین و سیاست کا درس دیا گیا اور بیچ میں مسلسل اخلاقی شعور اس میں پیدا کیا گیا۔ ایسے افراد اپنا انتظام جس طور پر بھی چلائیں وہ اچھے نتائج کے ساتھ چلنا چاہیے اور چلا۔ دوسرے اس اسلامی معاشرے کو خدا کے رسولؐ کی قیادت حاصل تھی جس پر سو فیصد ایمان و اعتماد ہر فرد کو تھا۔ تیسرے وہ معاشرہ ایک مختصر آبادی کی منظم طاقت سے وجود میں آیا تھا۔ جب کہ آج کروڑوں افراد پر ایک ایک قوم مشتمل ہے۔ چوتھے یہ کہ وہ لوگ ایک ایسی انقلابی کشاکش سے گذرے اور مسلسل گذرتے رہے۔ جس نے اُن کے اندر سے ان کے صحیح لیڈروں کو خود ہی اُبھار دیا تھا۔ پانچویں یہ کہ وہاں کی مسلم آبادی قبائلی وحدتوں میں منظم تھی اور قبیلوں کے متعلق فیصلے اور معاہدات سردارانِ قبائل ہی کر لیتے تھے۔ آج یہ تنظیمی یونٹ موجود نہیں ہے۔ اس کا خلا کس طرح پورا ہوگا۔

آج جس معاشرے میں یہ سارے احوال نہ ہوں اس میں کام چلانے کے لیے کچھ دوسری (جائز) تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ اجتہادات اس معاشرے کو سامنے رکھ کر کیجیے نہ کہ دورِ سعادت کے معاشرے کے لحاظ سے۔

۲- آپ نے یہ تو فرمایا کہ سیاسی جماعتیں نہ ہونی چاہئیں کیونکہ پوری ملّت ایک جماعت ہے۔ عرض یہ ہے کہ عملاً اس ملّت کو ایک ملّت کی حیثیت سے سامنے لا کے دکھایئے۔ پاکستان کو تو چھوڑیئے، کیا صرف کراچی کو آپ ایک منظم یونٹ بنا سکتے ہیں۔ پس جب یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ پوری ملّت ایک منظم جماعت ہے تو اس بنیاد پر جو اجتہاد کھڑا کیا جائے گا وہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

۳- آج ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں، اس میں بھی بہت سے منظم گروہ ہیں۔ پیپلز پارٹی

ایک منظم جماعت ہے، مغرب زدہ خواتین کی تنظیمیں اپنا کام کر رہی ہیں، سیکولر نقطۂ نظر کے لوگ اپنی حلقہ بندیاں رکھتے ہیں، ادب کی تنظیمیں ہیں، صحافت کی ہیں، مزدوروں کی یونینز ہیں، وکلا کی انجمنیں ہیں، ایوان ہائے تجارت ہیں، مذہبی طور پر خانقاہی نظام بھی ہے، پیری مریدی کی تنظیمیں بھی ہیں، تبلیغی جماعت کا نظام بھی ہے، منکرینِ حدیث کا ادارہ بھی ہے۔ قرآن کے لیے کام کرنے والے منظم حلقے بھی ہیں، دیوبندی اور بریلوی اور وہابی اور شیعہ تنظیمیں بھی ہیں۔ اگر یہ ساری جماعت بندیاں وحدتِ ملت کے اصول کے باوجود برسرِ عمل ہیں تو آخر ایک سیاسی ضرورت ہی سے نظم بندی کیوں ناجائز ہے۔

۴ — آپ کہتے ہیں کہ سیاسی جماعتوں کے میدان انتخابات میں آنے سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر آپ نے یہ نہیں سوچا کہ جب آپ ہر ہر فرد کو ایک الگ جماعت (قائم مقام) بنا دیں گے، تو پھر خرابیاں کس درجہ کی ہوں گی۔ ہر خیال اور ہر فکر اور ہر رنگ کے افراد کو جب آپ چھوٹ دے دیں گے تو الیکشن افسروں کے لیے بھی اور ووٹروں کے لیے بھی اُن کو جاننا سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔ اب تو لوگ آسانی سے اندازہ کر لیتے ہیں کہ فلاں آدمی مسلم لیگ کا ہے تو وہ اِس اِس طرزِ فکر کا ہوگا، جمعیت العلماء کا ہے تو ایسا ایسا ہوگا، تحریکِ استقلال یا این اے پی سے متعلق ہے تو اس کے خیالات و مقاصد فلاں فلاں ہوں گے۔ پیپلز پارٹی کا ہے تو اس کا فسطائی ذہن یوں یوں کام کرتا ہوگا، جماعتِ اسلامی کا ہے تو اس کے خیالات اور اس کا پروگرام اِس اِس انداز کے ہوں گے۔

آپ اگر سب کو فرد فرد کر کے انتخابی "پریشر ککر" میں اکٹھا ہی ڈال دیں گے تو ووٹنگ کی آنچ سے پک پکا کر نکلے گا کیا؟

۵ — ہم اپنے محترم بزرگ اور اُن کے کمیشن کے ارکان سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس نقطۂ نظر کو سمجھیں کہ ایک معاشرہ جس کا دَورِ زوال اور دَورِ غلامی کے بعد وحدتِ ملت کا (حقیقی، عملی اور اخلاقی) بندھن ٹوٹا ہوا ہو، اُسے منظم ملت بنانے کے لیے اور کوئی راستہ ہی اس کے سوا نہیں ہے کہ جس خدا کے بندے کو صلاحیت و توفیق اللہ نے دی ہے، وہ دین کے اُصولوں اور پاکیزہ سیاست کے شعور پر ایک ایک فرد کو جمع کرے اور آہستہ آہستہ اس کوشش

کو توسیع ملے۔ کوئی دوسرا شخص نیک نیتی سے اگر کسی دوسرے طریق کار کو بہتر سمجھتا ہو تو وہ جماعت بندی کرے۔ اس طرح کی جماعت بندیوں میں سے بعض ختم ہو جائیں گی، بعض متوازی طور پر کام کریں گی، بعض آگے کسی سطح پر ایک ہو جائیں گی، اور بعض کو باہمی تصادم تراش خراش سے گزار کر کسی ایک قوت کو اُبھار دے گا۔ ایسی کوششوں کے نتیجے میں ملت میں نظم پیدا ہو سکتا ہے۔ ورنہ فرد فرد کو بھیڑ بکریوں کی طرح رہنے دیجیے، کوئی گڈریا منہ میں بانسری لیے اور کندھے پہ لاٹھی رکھے انہیں جدھر چاہے گا ہانکتا رہے گا۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ بھی سیاسی پارٹیاں ہیں جو اپنے گرد جمع ہونے والوں کی سیاسی تربیت کرتی ہیں، مسائل کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں، رائے دہی کے قابل بناتی ہیں، دستور اور پارلیمانی قواعد سمجھاتی ہیں، مشاورت باہمی کے طور طریقوں کی عملی تعلیم دیتی ہیں۔ ڈسپلن میں رہ کر کام کرنے کی خصوصیت پیدا کرتی ہیں۔ یہ اہتمام اگر نہ ہو تو پھر کون سی یونیورسٹی یا کالج یا انسٹی ٹیوٹ آپ کے پاس ایسا ہے جو کروڑوں کی آبادی کو یہ تربیت دے سکے۔

۶۔ جس دین میں جماعت بندی کی تعلیم یہ رہی ہو کہ اگر دو مسافر ہوں تو ایک امیر کارواں ہوگا اگر دو نمازی ہوں تو ایک امام ہوگا، حج کے لیے نکلو تو ایک امیر حج ہوگا، گھر کی زندگی ہو تو ایک قوام ہوگا، اس کے متعلق یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ لوگ گروہ در گروہ ووٹ دینے نکلیں اور کوئی اُن کا سربراہ نہ ہو۔ یا کچھ لوگ اُمیدوار بن کے اُٹھیں اور کوئی ان کا ذمہ دار نہ ہو، یا کچھ لوگ پارلیمانی ایوانوں کی کارروائی میں حصہ لیں اور کوئی اُن کا انسٹرکٹر نہ ہو۔ کسی مسلمان کے لیے ایسی غیر جماعتی زندگی کسی بھی دائرے میں قابلِ قبول نہیں۔

فوج منظم، کیبنٹ منظم، انصاری کمیشن منظم، ادارۂ تحقیقات اسلامی منظم، عدالتیں منظم، بیوروکریسی دفتر در دفتر منظم، لے دے کے ایک سیاسی نظم بندی شریعت کی زد میں آتی ہے؟ بھلا سوچیے۔

ہمارے خیال میں عین شرعی تقاضوں کے تحت افراد کو سیاست یا انتخابات میں لینے کے لیے منظم ہونا چاہیے ــــ معیاری صورت یہ کہ سارے پاکستان میں تمام آبادی کو

ایک ہی جماعت ہیں، اور یہ حاصل نہ ہو تو کم سے کم مختلف صحیح المقاصد قیادتوں کے تحت۔

ایک اہم مسئلہ متناسب نمائندگی کا ہے[1]۔

یہ طریق انتخاب نہ صرف یہ کہ یورپ کی متعدد ریاستوں میں رائج ہے، بلکہ اب تو برطانیہ کی انتخابی سیاست بھی اسی رُخ جا رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ طریقہ سخت غیر منصفانہ اور خود رُوحِ جمہوریت کے خلاف ہے۔ مثلاً ۴ اُمیدواروں میں سے ایک ۱۰٪ ووٹ لیتا ہے، دوسرا ۲۰٪، تیسرا ۳۰٪، چوتھا ۴۰٪۔ اب ۴۰ فیصد ووٹ لینے والا کامیاب قرار پایا اور ۶۰ فیصد ووٹ جو دراصل اُس کامیاب شخص کے خلاف پڑے ہیں وہ بالکل بے معنی قرار پاتے ہیں بلکہ اور کئی صورتیں ہیں جن میں ۲۷ فیصد ووٹ لینے والا اُمیدوار ۷۳ فیصد مخالف ووٹروں کے علی الرغم بازی مار لے جاتا ہے۔

علاوہ ازیں اس طریقِ انتخاب کی اور کئی خوبیاں ہیں:

۱۔ حلقۂ انتخاب پورا ملک ہو، صوبہ ہو، کمشنری ہو یا ضلع، کسی خیال کے ووٹر کا ووٹ ضائع نہیں جاتا۔ جس تناسب سے ووٹ مختلف جماعتوں کو ملیں گے، اُسی تناسب سے ان کی پیش کردہ لِسٹوں میں سے نمائندے لے لیے جائیں گے۔ اس طریقے میں کوئی امکان نہیں کہ ملک بھر میں مجموعی طور پر ۳۵٪ یا ۲۷٪ ووٹ لے کر کوئی جماعت اقتدار کی کرسی پر جا بیٹھے۔

۲۔ ووٹروں کی اصل توجہ جماعتوں کے اُصولوں، مقاصد اور اُن کے منشوروں پر مرتکز

---

[1] متناسب نمائندگی کی مختلف تفصیلی اشکال سے قطع نظر خلاصہ یہ ہے کہ ہر باضابطہ جماعت یا پارٹی ملک یا صوبے یا ضلعے (جو بھی حلقۂ انتخاب ہو) کی مقررہ سیٹوں کے لیے اتنے ہی (یا کم) نمائندوں کی فہرست پہلے سے داخل کر دیتی ہے۔ پھر کل حلقۂ انتخاب میں جتنے ووٹ کسی پارٹی کو ملتے ہیں ان کے تناسب سے اس کی لِسٹ میں سے افراد لے لیے جاتے ہیں۔ اس طرح ووٹ ضائع نہیں جاتے اور نہ اقلیتی ووٹوں کے بل پر کوئی فرد یا جماعت انتخاب سر کر سکتی ہے۔

ہوتی ہے، افراد کی لسٹ کو ثانوی طور پر دیکھا جاتا ہے کہ کس میں کتنی اور کیا قابلیتیں ہیں۔ اسی طرح جمہور کی نگاہ چھوٹے چھوٹے ذاتی یا مقامی یا علاقائی مفاد سے اونچی اٹھ کر بڑے بڑے ملکی مفاد پر مرتکز ہونے لگتی ہے۔

۳۔ برادری پرستوں، علاقہ پرستوں اور نسل پرستوں کے خودساختہ طلسم ٹوٹ جاتے ہیں۔

۴۔ امیدوار افراد اپنی اپنی ذاتی کامیابی کے لیے محدود حلقۂ انتخاب میں جس طرح روپیہ دے کر ضمیر خریدتے، ڈراتے دھمکاتے، فساد کراتے اور طرح طرح کی بدعنوانیاں ایجاد کرتے ہیں۔ اور سارے معاشرے میں مستقل طور پر کرپشن پھیلا دیتے ہیں۔ یہ سارا سلسلہ متناسب نمائندگی کی شکل میں باقی نہیں رہتا۔ متفرق افراد کے بجائے سارا عمل منظم جماعتوں کے ذریعے مکمل ہوتا ہے۔

۵۔ سارے ملک یا جتنا بھی حلقۂ انتخاب مقرر کیا جائے، اس کے لیے فہرستیں پیش کر کے مقابلے میں آنے والی جماعتوں کے حساب سے ووٹ کارڈ میں چند نشانات مقرر کرنے ہوں گے یعنی کام میں بہت سادگی اور آسانی پیدا ہو جائے گی۔ بلکہ ملک بھر میں ایک پارٹی کے لیے ایک رنگ یا نشان مقرر ہو جانا چاہیے۔

۶۔ جماعتوں کی پیش کردہ لسٹوں کی جانچ پڑتال یک جائی ہو سکتی ہے، اور خاص خاص مقررہ شرائط اور پابندیوں کے معیار پر ان کو پرکھا جا سکتا ہے۔ لیکن اصل ذمہ داری پارٹیوں کی ہوگی، ان کو پہلے سے لازمی اصول و معیار برائے نمائندگان دے دیئے جائیں گے کہ وہ ان کے مطابق لسٹ میں نمائندے شامل کریں اور جب بھی کسی کامیاب رکن کے خلاف کوئی صورتِ واقعہ سامنے آ جائے گی۔ جس کی گنجائش قانون انتخابات میں نہ ہو تو اسے الگ کر کے اس کی جگہ لسٹ میں بعد کے کسی نمبر کے آدمی کو لے لیا جائے گا۔ اور الگ ہونے والے شخص کے خلاف پارلیمانی یا عدالتی کسی بھی قسم کی کارروائی الگ ہوتی رہے گی۔

یعنی اس طریق کار میں ضمنی انتخابات کے مصارف و انتظامات سے حکومت بری الذمہ ہو جائے گی۔

۷۔ سرمایہ دار، صنعت کار اور وڈیرے یقیناً جماعتوں کے اندر بھی گھسیں گے اور

اپنے آدمیوں کو بھی روپیہ کے زور سے لسٹوں میں شامل کرانے کی کوشش کریں گے، مگر ان لوگوں کے لیے فرداً فرداً خاص ہتھکنڈوں سے انتخابی جنگ لڑنے کا راستہ بند ہو جائے گا۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پارٹیوں کو اہمیت ملنے کے بعد اُن کی قوت و اثر میں کمی آجائے گی اور آہستہ آہستہ منفرق افراد کے آگے آنے کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

اس طریق انتخاب پر دو ہی اعتراض کیے جاتے ہیں:۔

ا۔ ایک یہ کہ اس طرح ایک کولیشن حکومت تو بن سکتی ہے مگر کسی ایک پارٹی کی اکثریت نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ صحیح ہے، مگر سوائے دھاندلی کے اور کسی بھی طرح موجودہ ماحول میں کوئی ایک پارٹی اکثریت نہیں حاصل کر سکتی۔ عام طریق انتخاب کے تحت بھی اہم پارٹیاں مل کر حکومت بنائیں گی۔ یا اُن کا کوئی متحدہ محاذ کامیاب ہو کر نظام کو چلائے گا۔ اور اس وقت کے بحرانی حالات کی پیچیدگیاں ہیں بھی ایسی کہ ضرورت ایک متحدہ مخلوط حکومت ہی کی ہے تاکہ ساری قوتیں مل کر ناسازگاری احوال کا مقابلہ کریں۔ آگے چل کے ایسا موقع بھی آسکتا ہے کہ کسی ایک پارٹی کو ملک بھر میں اکثریتی ووٹ حاصل ہو جائیں۔

ب۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ متناسب نمائندگی کی صورت میں آزاد نمائندوں کے لیے کام کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات وہ پارٹیوں کے پابند افراد سے زیادہ بہتر کام کر دکھاتے ہیں۔ اس کا اولین جواب تو یہ ہے کہ آج تک کہ تاریخ تو اس کی گواہ ہے کہ آزاد حضرات ایوان میں جا کر بہترین بکاؤ مال ہوتے ہیں یا بہتر خریدار کہ جدھر ان کا سودا ٹھیک بیٹھ جائے، وہ اُدھر کے ہو جاتے ہیں۔ بہت سے آزاد اُمیدوار کچھ دوسرے حلقوں کے ساتھیوں کے ساتھ مل کر پروگرام بناتے ہیں اور پھر اپنی چند نفری متحدہ قوت کو روپے کی تقسیم اور مفاد رسانی کے حربے سے کئی افراد کو اِدھر اُدھر سے توڑتے اور بسا اوقات وزارتوں تک مار کرتے ہیں۔ قوم کے لیے بہتر یہ ہے کہ اس پارلیمانی کرپشن سے اُسے نجات مل جائے جس کا بہترین طریقہ متناسب نمائندگی کا طریقہ ہے۔ ان آزاد حضرات یہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ایک پارٹی میں ڈھالیں اور اس کا کوئی ضابطہ و منشور بنائیں، اس کی مناسب حد تک ممبرشپ ہو اور اس میں انتخابی عمل کام کرے۔ وہ رجسٹریشن حاصل

کریں - وہ اپنی جماعت کو " آزاد نمائندوں کی جماعت یا گروپ " ہی قرار دے لیں -
پس یہ دو اعتراضات ایسے نہیں جن کی وجہ سے متناسب نمائندگی کی خوبیاں بے معنی ہو جائیں -

---

سُننے میں نت نئی باتیں آتی ہیں اور کسی کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی ثقاہت کیسی ہے - مثلاً ایک یہ افواہ اوپر سے آئی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ متناسب نمائندگی کا تجربہ ہر ضلعے کو ایک حلقۂ انتخاب بنا کر کیا جائے - میرا خیال ہے کہ پہلے قدم اور تجربے کے طور پر یہ صورت بھی اچھی ہے - تاہم بعض ضلعوں یا ضلعوں کے خاص خاص بڑے بڑے علاقوں (اور مزارعوں) پر بعض لوگوں کے خصوصی اثرات ایسے ہیں کہ اُن کو کام میں لا کر ضلع کی مختصر سی فہرست میں جگہ پا کر باسانی کامیاب ہو سکتے ہیں - حالانکہ اس طرح کے صنیاوانِ مناصب کے اثر و نفوذ کو بالواسطہ طور پر ختم کرنا ایک مقصد ہونا چاہیے - بعض جماعتیں جن کا دار مدار اس طرح کی علاقائی با اثر شخصیتوں (خصوصاً زمینداروں، صنعت کاروں اور وڈیروں) پہ ہوتا ہے وہ بھی اغلباً ضلع کی سطح کو پسند کر لیں - ضلع کی حد تک ووٹوں کی بڑی بڑی چند منڈیوں کے سیٹھوں کو خریدنا مشکل نہیں ہوتا اور خاندانوں یا برادریوں (PRESSURE GROUPS) کی قوت کو بھی حرکت میں لایا جا سکتا ہے - لیکن اگر ترجیحاً ملک اور ثانوی حد تک صوبہ اگر حلقۂ انتخاب بنے تو پھر بعض با اثر اور دولت کے لالچ اور جرائم و تشدد کی تخریب سے کام لینے والے اصحاب بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہو سکتے -

پھر بھی ایک درمیانی صورت ہے کہ کمشنری کو بنیادی حلقہ قرار دیا جائے - مقصود نہ صرف حالیہ یا آئندہ کے انتخابات کی آسانیاں ہوں، بلکہ آہستہ آہستہ کمشنری کو زیادہ سے زیادہ قوت و اختیار کا مرکز بنایا جائے - صوبوں کے نظام کو مختصر شکل دے کر عارضی طور پہ محض نگرانی اور ہم آہنگی کے لیے برقرار رکھا جائے - اس طرح ایک تو " پنجاب " کے خلاف جو شکایات اُٹھائی جاتی رہتی ہیں ان کا ازالہ کرنا ممکن ہے - چھوٹے بڑے سارے صوبوں میں معاملات کمشنری کی سطح پہ آ جائیں گے اور بے شمار لیڈر ز اور کارکنوں کو بہت قریب دائرہ ہائے کار مل جائیں گے

بلکہ عوام کے زیادہ سے زیادہ مسائل کا حل اس سطح پر چلا جائے گا۔

پاکستان میں لیڈری کا حصول ہے بھی مشکل۔ پھر اس کی ضرورت بھی محدود ہو جائے گی اور ملکی یا وفاقی سطح پر لیڈری کی حیثیت حاصل کرنے والے خاص خاص اہل افراد ہی آگے آئیں گے۔ یہ ممکن نہ رہے گا کہ دس دس، پچاس پچاس افراد کو ساتھ لے کر کچھ سیاسی اکابر ایک پارٹی کی حیثیت سے میدان میں آجائیں۔ پارٹی کے لیے ملک گیر ہونا لازمی ہوگا۔ اور انتخابات کے انعقاد سے ایک خاص مقررہ مدت پہلے سے اس کا وجود اچھی طرح متعارف ہونا چاہیے۔

متناسب نمائندگی کے ساتھ سیاست اور لیڈری کو کمشنری کے دائرے میں لے جانے سے ہماری وہ بہت سی اُلجھنیں حل ہو سکتی ہیں جو آج کی سیاست میں موجود ہے اور بالکل ابتدا سے نشو و نما پاتی رہی ہیں۔ علیحدگی پسندی کے رجحانات کے لیے بھی فضا ناسازگار ہو جائے گی۔

یہ ایسے مسائل میں سے ایک ہے جسے ہمارے مخلص مدبرین (اگر وہ اُوپر پائے جاتے ہوں) کو سر جوڑ کر پوری دماغ سوزی کے ساتھ سوچنا چاہیے۔ پاکستان کے تصور کے بعد شاید یہ اہم ترین تخیل ہے جو ہمارے مُلکی اور علاقائی دروبست کو بہتر شکل دے سکتا ہے۔

جلد انتخابات —— جماعتی انتخابات —— جداگانہ انتخابات —— متناسب نمائندگی کے اُصول پر انتخابات!

مُلک و ملّت کے لیے یہ بہترین راستہ ہے۔